نظرات

جمیل مہدی

گذشتہ دو مہینوں میں ہندوستانی مسلمانوں کی اسلامی زندگی سے متعلق کم از کم دو واقعات ایسے پیش آئے جن کی بدولت ملک گیر پیمانے میں ہیجان اور جوش وخروش کی ایک حالت پیدا ہوگئی ان میں سے ایک واقعہ سپریم کورٹ کی طرف سے ایک فیصلے سے متعلق تھا، جو عدالت العالیہ نے شاہ بانو، بنام محمد احمد کے ایک مقدمہ میں دیا تھا، اور جس کی رو سے شوہر محمد احمد کو اس بات کا پابند بنایا گیا تھا کہ وہ شاہ بانو کو طلاق کے بعد کی مدت میں گذارہ کی رقم اس وقت تک ادا کرتا رہے جب تک یا تو وہ دوسری شادی نہ کرلے، یا اس کے گذارے کا کوئی دوسرا معقول انتظام نہ ہو جائے۔

سپریم کورٹ نے اپنے اس فیصلہ کو قرآنی احکام اور اسلام کی منشا، کے عین مطابق قرار دیا اور چیف جسٹس چندر چوڑ نے، ایسی آیات قرآنی کا بھی حوالہ دیا، جو ان کی رائے میں ایک بیوی کو طلاق کے بعد بھی گذارے کی ادائیگی کے حق میں تھیں، اسی کے ساتھ سپریم کورٹ نے اپنے اس فیصلہ میں حکومت کے اس رویہ پر ناگواری ظاہر کی کہ اس نے ابھی تک مختلف فرقوں کو الگ الگ مذہبی قوانین پر عمل آوری کی اجازت دے رکھی ہے اور دستور ہند کی اس دفعہ کو نافذ نہیں کیا

جس کا منشا ہندوستان میں یکساں شہری قانون رائج کرنے، اور سبھی فرقوں کو یکساں طور پر مشترکہ قانون کا پابند بنانے کا ہے۔

دوسرا واقعہ کلکتہ ہائی کورٹ میں، چند شرارت پسندوں کی طرف سے قرآن کے خلاف پٹیشن دائر کرنے کی صورت میں سامنے آیا، جس میں عدالت سے قرآن کے خلاف اس بنا پر دادرسی کی درخواست کی گئی تھی کہ اس کے اندر ایسا مواد موجود ہے، جو لوگوں کو منافرت اور تشدد پر اکساتا ہے۔ اور سماج کے اندر مستقل بدامنی کا سبب بنتا ہے۔ درخواست کنندگان نے قابلِ اعتراض اور منافرت انگیز کتابوں اور لٹریچر کی اشاعت پر پابندی لگانے والے قانون کے حوالے سے عدالت سے درخواست کی تھی کہ قرآن کی اشاعت پر پابندی لگادی جائے۔ ان کا کہنا یہ بھی تھا کہ قرآنی احکام اور اس کا متن ہندوستان کے اندر فرقہ وارانہ ہم آہنگی، اور سیکولرازم کے فروغ کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں، اور ان کی موجودگی میں ہندوستانی دستور کی منشا پوری نہیں ہوسکتی اس لئے قرآن کی اشاعت اور اسے ایک قابلِ اعتراض کتاب کی حیثیت سے، خلافِ قانون قرار دینا دستور کی رُو سے ضروری ہے۔

ہم نے مندرجہ بالا سطروں میں سپریم کورٹ کے فیصلے اور قرآن کے خلاف رٹ پٹیشن کا مفہوم اصطلاحی الفاظ سے گریز کرتے ہوئے اس لئے بیان کردیا ہے کہ اس وقت ہم ان کے قانونی مضمرات پر اظہارِ خیال کے بجائے، ان واقعات کے مسلم سماج پر اثرات کو اپنا موضوع بنانا چاہتے ہیں، اور ہمارا مقصد، اس ہیجان اور جوش وخروش کے پس منظر میں ملتِ اسلامیہ کے کردار کا جائزہ لینا ہے، جس کا مشاہدہ ان دونوں واقعات کے ردِ عمل میں، نہ صرف ہندوستان بلکہ پڑوسی ملکوں میں بھی سامنے آیا ہمارا مطلب بنگلہ دیش سے ہے، جہاں قرآن پر پابندی کے مقدمہ کے خلاف اتنے زبردست عوامی مظاہرے ہوئے کہ ان میں کم از کم ۱۲ افراد کی

جانیں چلی گئیں، اور وہاں کی حکومت کو ہندوستانی ہائی کمیشن کی عمارت کی حفاظت کے لئے غیرمعمولی انتظام کی ضرورت پڑی، ہندوستان میں مذہبی اور نیم مذہبی اور سیاسی تنظیموں نے ان دونوں واقعات کے خلاف ناگواری اور احتجاج کیا اور مسلم پرسنل لا بورڈ کی ہدایت پر رمضان المبارک کے ہر جمعہ کے دن اجتماعی احتجاجی مظاہرے اور جمعۃ الوداع کے دن کو سپریم کورٹ کے فیصلہ کے خلاف یوم تحفظ شریعت کے طور پر منایا۔ ان تمام جلسوں اور اجتماعات میں پرسنل لا میں مداخلت کی کسی بھی شکل کو مسلمانوں کے لئے ناقابلِ قبول بتایا گیا اور یکساں سول کوڈ کے نفاذ کے بارے میں حکومت کی اس یقین دہانی پر زور دیا گیا کہ وہ مسلمانوں کی مرضی کے خلاف دستورِ ہند کی بنیادی دفعہ ۴۴ کو مسلمانوں پر نافذ نہ کرے گی۔ یوم تحفظ شریعت کے تحت اجتماعات میں دستور کی دفعہ ۱۲۵ کو دستور سے حذف کرنے کا مطالبہ بھی کیا گیا۔

قرآن کو خلافِ قانون قرار دینے، اور اس کی اشاعت پر پابندی لگانے کی درخواست چونکہ یوم تحفظ شریعت کے اجتماعات کے انعقاد سے پہلے ہی کلکتہ ہائی کورٹ نے خارج کردی تھی، اس لئے اس سلسلے میں اس موقع پر بہت زیادہ بےچینی کا مظاہرہ نہیں ہوا تاہم متعدد اجتماعات میں ان لوگوں کو گرفتار کرنے کے مطالبات بھی منظور شدہ تجاویز میں شامل کیے گئے جنہوں نے قرآن پر پابندی لگانے کا پٹیشن دائر کر کے ایک ایسی شرارت پھیلائی تھی جس نے پورے ملک کے مسلمانوں کو ہیجان، اضطراب اور صدمہ کی کیفیات سے دوچار کردیا تھا۔ کشمیر سے لے کر کرالا تک مسلمانانِ ہند کے اس جوش و اضطراب اور بےچینی کے اظہار سے یقینی طور پر حکومت اور برادرانِ ملک کو ملتِ اسلامیہ کی بیداری کا اندازہ ہوا ہوگا، اور ان پر یہ بات پورے طور پر ظاہر ہوگئی ہوگی کہ مسلمانانِ ہند اپنے مذہب اور اس کے احکام پر عمل پیرائی، اور مذہبی معاملات کو حکومت کی دستبرد سے بالاتر رکھنے کے کس شدت کے ساتھ خواہشمند ہیں، اور اس معاملے میں ان کے احساس و جذبات کس درجہ نازک ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ قرآن کے خلاف

بیٹیشن کے معاملے میں مغربی بنگال، اور مرکز کی حکومتیں بیک وقت حرکت میں آگئیں، مرکزی وزیر اشوک سین، ہنگامی دورے پر کلکتہ پہنچے، اور انھوں نے اٹارنی جنرل کو اس سلسلے میں خاص ہدایتیں، بذاتِ خود جاکر دیں، اور کلکتہ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کے ہائی کورٹ نے پیٹیشن کی سماعت ہرممکن عجلت کے ساتھ کرکے، اسے خارج کر دیا، اور اپنے فیصلے میں صراحت کے ساتھ اس نکتہ پر زور دیا کہ مذہبی کتابیں، ملکی قوانین اور عدالتوں کے دائرۂ اختیار سے بالاتر ہیں، اس لئے ان کے بارے میں کسی قسم کی قانونی دادرسی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ان واقعات کی اس ضروری تصریح کے بعد اب ہم، مسلمانانِ ہند کی اجتماعی صورتِ حال کے موضوع پر چند بنیادی نکات کی طرف، توجہ دلاتے ہوئے، مختصر طور پر جو کچھ کہنا چاہتے ہیں اس کا مفہوم یہ ہے کہ آزادی کے ۳۸ سال گذرنے کے بعد اب یہ بات پوری طرح ابھر کر سامنے آچکی ہے، کہ ہندوستان کے لادینی حکومتی تصور، اور مسلمانانِ ہند کی دینی زندگی کے تحفظ کی ضرورت کے درمیان کوئی ہم آہنگی تطبیق ابھی تک، اس طرح نہیں کی جاسکی ہے، جس کی موجودگی میں مسلمان، مستقبل کی طرف سے بے فکر ہوسکیں، دستورِ ہند میں یکساں سول کوڈ کے نفاذ کی دفعہ ۳۲۵ بنیادی مقاصد کی دفعات میں شامل ہے۔ اس لئے اس کے حذف کرنے کا کوئی امکان پورے دستور کے کالعدم کرنے کے بعد، اس کی از سرِنو تشکیل کی کارروائی کے بغیر موجود نہیں ہے، اس لئے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں کہ مسلمان، مرکزی حکومت کی ایک تک کی یقین دہانیوں کی قانونی ضمانت کا مطالبہ کریں، اور اسی نہج پر ایک باقاعدہ جدوجہد، مسلمانوں کی طرف سے شروع ہو، جس طرح انگریزی کے چلن کو باقی رکھنے کے لئے، حکومت کی یقین دہانیوں کی قانونی ضمانت کا مطالبہ جنوبی کی ریاستوں خصوصاً تامل ناڈو کی طرف سے سامنے آیا تھا، اور پارلیمنٹ نے ایک دستوری ترمیم کے ذریعہ جواہر لال نہرو اور مرکزی حکومت کی یقین دہانیوں کو قانونی ضمانت ایک باقاعدہ تجویز کی صورت میں منظور کرکے، دستور کے تتمہ کے طور پر شامل کی تھی۔ ظاہر ہے کہ مختلف

اسباب اور مختلف عوامل کی وجہ سے مسلم پرسنل لا ر سے متعلق حکومت کی یقین دہانیوں کی ضمانت کی تحریک تشدد اور خود سوزی جیسے احتجاجی مظاہروں کے ساتھ نہیں چلا سکتے، اس لئے اس تحریک کو پُرامن طور پر ایک طویل مدتی تحریک کی صورت میں ہی اُٹھانا پڑے گا، اور اس کے لئے وہ ہر ممکن طریقے کام میں لانے پڑیں گے جو کسی پُرامن تحریک کو موثر بنانے کے لئے ضروری سمجھے جاتے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ اس طرح کی تحریک کے لئے جو منظم قوت، اور ہمہ جہتی اتفاق واشتراک ضروری ہے۔ وہ کہاں سے آئے۔

ہندوستانی مسلمان، اپنے مذہب اور اس کے تحفظ کے بارے میں جتنے شدید جذبات رکھتے ہیں، اور مسلم عوام اس سلسلے میں جتنے حساس اور پُرجوش ہیں اس کے پیش نظر یہ تو بہت آسان اور ممکن ہے کہ ایسے جذباتی واقعات پر جیسے کہ سپریم کورٹ کے فیصلے اور قرآن کے خلاف ایجیٹیشن کی صورت میں پیش آئے، مسلم حلقوں میں ایک ہمہ گیر ہیجانی صورت پیدا ہو جائے اور وقتی طور پر جوش وخروش، احتجاج، اور ناگواری کے مظاہروں کی ایسی ہی صورت پیش آجائے جس کا نظارہ گذشتہ مہینوں میں دیکھنے کو ملا لیکن تحریک کو تحریک کی طرح چلانا، اور ایک طویل مدت تک اس کی قوت، اور تسلسل کو باقی رکھنا، بالکل دوسری بات ہے، جس کے لئے ــــ ہمارا خیال ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ اجتماعی صورت حال میں کامیابی کا تصور محال ہی ہے کیونکہ اس وقت نہ تو قومی سطح پر کوئی منظم جماعتی قوت موجود ہے، نہ ہی کوئی ایسی جماعت موجود ہے جو اس نازک ذمہ داری کو اُٹھائے تو اس کے نشیب وفراز اور نازک مرحلوں کو سنبھالنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔

اس سلسلے میں سب سے زیادہ جس افسوسناک حالت کا مسلمانانِ ہند کو سامنا ہے، اس جذباتیت کا عنصر، باقی سبھی عناصر پر غالب آجاتا ہے، اور یہ دیکھ کر اور زیادہ تشویش

ہوتی ہے کہ ہر ایسے موقع پر جبکہ جوش سے زیادہ ہوش، اور ہنگامے اور ہیجان کے بجائے ٹھنڈے دل و دماغ سے کام لینے کی ضرورت ہوتی ہے، مسلم عوام اور مسلم قائدین کا ذہن یکساں طور پر جذبات سے مغلوب ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے بہت سے معاملات تہ صرف خراب ہو جاتے ہیں اور فائدوں کے بجائے نقصان کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔ مثال کے طور پر قرآن کے خلاف بیٹیشن کی شرارت انگیز حرکت پر اس ہیجان اور اُن جذباتی مظاہروں کی ذرا بھی ضرورت نہ تھی، جو مختلف مقامات پر کیے گئے۔ کیونکہ اس شرارت کا اصل مقصد ہی مسلمانوں کو صدمہ اور ہیجان کی کیفیتوں سے دوچار کرنا تھا۔ اس موقع پر اگر ٹھنڈے دل و دماغ سے کام لیا جاتا تو حقیقت معمولی ذہن و دماغ کے حامل کسی فرد کی نگاہ سے بھی پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی کہ اس کے قومی اور بین الاقوامی اثرات کے پیش نظر حکومت اور ہائی کورٹ دونوں قرآن کی اشاعت پر پابندی کے عقل و دانش سے بعید اقدام کی ہمت نہیں کر سکتی تھیں، اور اگر کرتیں تو دُنیا کو منھ دکھانے کے قابل نہیں رہ سکتی تھیں لیکن ہوا یہ کہ مسلم خواص و عوام ایک ہی جذباتی لہر میں بہتے چلے گئے، اور کئی جگہ ہلاکتوں اور ہنگاموں تک کی نوبت آگئی۔ یہاں سپریم کورٹ کے نان نفقہ کے مقدمہ کے سلسلے میں، قیادت کے اس پہلو پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے کی ضرورت ہے، جو مقدمہ کی تیاری، بحث اور پیروی کے معاملے میں سامنے آیا۔ اور جس کی وجہ سے مسلم پرسنل لا بورڈ سے متعلق مختلف جماعتوں کی غفلت اور بے پروائیوں کے سلسلے میں کئی اختلافی بیانات تک نوبت پہونچی، ان باتوں سے بہرحال ایک بات تو ظاہر ہی ہو جاتی ہے کہ اُونچے درجہ کی مسلم قیادت اس درجہ متعدد اور سنگین خطرات کا سامنا کرنے پر اس حد تک تیار نہیں ہے جتنا کہ اسے ہونا چاہیے۔